15

تمہارے پاس صرف دعا کا ہتھیار ہے۔ سو تم اپنے لیے، سلسلہ کے لیے اور تمام بنی نوع انسان کے لیے خوب دعائیں کرو

(فرمودہ 22 جون 1951ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''رمضان کا مہینہ اب نصف سے اوپر گزر چکا ہے۔ جہاں تک آثار سے معلوم ہوتا ہے یہ رمضان 29 کو ختم ہو جائے گا کیونکہ ایک تو پچھلا مہینہ تیس دن کا تھا اور دو مہینے متواتر تیس دن کے نہیں ہو سکتے۔ دوسرے عرب میں دو دن پہلے چاند دیکھا گیا ہے اور یہ انتہائی فاصلہ ہے۔ اس سے زیادہ فاصلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ تیس دن جو پچھلے مہینہ کے لیے گئے تھے وہ درست تھے۔ پھر چاند کے نکلنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہینہ 29 کا ہوگا کیونکہ چودہ تاریخ کو چاند کچھ دیر سے نکلا ہے۔ پس وہ دن اور راتیں جو دعاؤں کے خاص دن ہوتے ہیں وہ دن بھی آ رہے ہیں اور وہ راتیں بھی

آ رہی ہیں۔ رمضان کے یہ ایام ایسے شدید گرم تھے اور غالباً تین سال تک اَور شدید گرم رہیں گے کہ اِن دنوں کے روزے مومنوں کے لیے ایک آزمائش اور امتحان تھے۔ لیکن دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو اِس آزمائش اور امتحان کے دَور میں سے شوق سے گزر جاتے ہیں اور یہ تکلیف اُن کے لیے راحت کا موجب ہو جاتی ہے۔ اور اگر واقع میں انسان کا دل کسی چیز کے شوق میں ہو تو اردگرد کی تکالیف اُسے زیادہ سخت معلوم نہیں ہوتیں۔

مجھے یاد ہے اِس سے پہلی گرمیوں میں جو رمضان کے مہینے آئے تھے اُس وقت بعض مہینوں میں مَیں درسِ قرآن بھی دیتا تھا اور روزے بھی رکھتا تھا۔ اور آجکل کے درس القرآن کی طرح وہ صرف گھنٹہ دو گھنٹے کے لیے نہیں ہوتا تھا بلکہ بعض دفعہ چھ چھ سات سات گھنٹے تک چلا جاتا تھا لیکن باوجود بیماری کے چونکہ جوانی کی عمر تھی اس لیے یہ تکلیف ایسی زیادہ محسوس نہیں ہوتی تھی۔ پھر خالی یہی نہیں کہ میں درس دیتا تھا بلکہ درس کی تیاری کے لیے بعض دفعہ رات کے بارہ ایک بجے تک میں نوٹ لکھتا رہتا تھا اور صبح اٹھ کر درس شروع کر دیتا تھا جو ظہر تک چلا جاتا تھا۔ بلکہ چند دن مجھے ایسے بھی یاد ہیں جب صبح سے ظہر تک درس ختم نہ ہوا تو ظہر کے بعد پھر درس شروع کر دیا گیا جو عصر تک چلا گیا۔ مگر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو شریعت کی اجازتوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں ہم بیمار ہیں اس لیے روزہ نہیں رکھ سکتے لیکن اُن کی بیماری کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ سارا سال انہوں نے علاج نہیں کروایا ہوتا۔ اگر واقع میں وہ بیمار ہوتے تو علاج کیوں نہ کرواتے؟ اُن کا باقاعدہ علاج نہ کرانا بتاتا ہے کہ اُن کی بیماری کا عُذر محض جھوٹا ہے۔ علاج کے لیے تو انہیں بیماری یاد نہیں آتی لیکن روزہ رکھنا ہو تو بیماری یاد آ جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو میں بتانا چاہتا ہوں کہ اِس قسم کے غیر معقول عُذروں سے وہ اِس جہان کی گرمی میں تو روزے رکھنے سے بچ جائیں گے لیکن اگلے جہان میں وہ کیا کریں گے اور اُس کی گرمی سے کیسے بچ سکیں گے؟ مجھے افسوس ہے کہ بعض ایسے خاندانوں کے لڑکے بھی جن کو دوسروں کے لیے نمونہ ہونا چاہیے تھا محض بہانہ سازی سے روزوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہماری شریعت نے یقیناً بیمار کو روزہ رکھنے سے منع کیا ہے۔ ہمارا غیر احمدیوں کی طرح یہ اعتقاد نہیں کہ روزہ کسی حالت میں بھی ترک نہیں کرنا چاہیے مگر ہم بیماری اُس کو کہیں گے جس کو انسان اچھا کرنے کی کوشش کرے۔ اگر سالہا سال بیماری لٹکتی چلی جاتی ہے اور وہ اس بیماری کا کوئی علاج نہیں کرتا تو اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ

اسے بیماری نہیں سمجھتا۔ اگر وہ اسے بیماری سمجھتا تو اس کے لیے کوئی نہ کوئی کوشش بھی کرتا۔ اور پھر وہ مرتا یا اچھا ہوتا اِدھر ہوتا یا اُدھر ہوتا بہرحال کسی ایک نتیجہ پر وہ پہنچ جاتا۔ مگر ایک طرف اس کا نام بیماری رکھنا اور دوسری طرف اس کے علاج کے لیے تعہّد نہ کرنا محض بہانہ سازی ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ان ایام میں بعض دن ایسے بھی آئے ہیں جبکہ روزہ دار تو الگ رہے بے روزہ بھی یوں معلوم ہوتا تھا کہ دم توڑ رہے ہیں۔ اور جو بیمار تھے یا بوڑھے اور کمزور تھے انہیں بہت ہی تکلیف ہوئی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہی دن انسان کے لیے زیادہ ثواب اور برکت کا موجب ہوتے ہیں اور انہیں دنوں میں انسان کی ہمت کا پتا لگتا ہے۔ ایسے لوگ بھی میں نے دیکھے ہیں جن پر میں رشک کرتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ اُن کے برابر روزے میں نہیں رکھ سکتا۔ مثلاً مولوی سید سرور شاہ صاحب ہیں 75 سال کی عمر کے تھے مگر باوجود منع کرنے کے وہ برابر روزے رکھتے تھے۔ چاہے یہ حد سے زیادہ تقشّر 1 کہلائے مگر اس سے پتا لگتا ہے کہ اگر انسان ارادہ کر لے تو بعض جگہ وہ شریعت کی اجازت سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔

بہرحال یہ دن اب اس رمضان کے آخری ایام ہیں اور نوجوانوں کے لیے ان کی عمر کے لحاظ سے مجاہدے کے دن ہیں۔ اگلی دفعہ جب یہ روزے گرمیوں میں آئیں گے تو اُس وقت تک وہ بوڑھے ہو چکے ہوں گے۔ اور اُس وقت وہ یہ عُذر کریں گے کہ اب روزہ کی کوفت برداشت نہیں ہوسکتی اور خدا تعالیٰ نے بھی اُس عمر میں ان کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہوئی ہوگی۔ درحقیقت انسان کی عمر میں ایک دَور ہی ایسا آسکتا ہے جس میں وہ صحیح طور پر روزے رکھ سکتا ہے۔ چھتّیس سال میں روزوں کا ایک چکر پورا ہوتا ہے اور دوسری دفعہ وہی دن آنے تک انسان ساٹھ سال سے اوپر ہو چکا ہوتا ہے۔ کوئی ستّر سال کا ہو جاتا ہے، کوئی بہتّر سال کا ہو جاتا ہے اور کوئی پچھتّر سال کا ہو جاتا ہے۔ چونکہ سال کے مختلف مہینوں سے عمر شروع ہوتی ہے۔ کوئی مارچ میں پیدا ہوتا ہے، کوئی اپریل میں پیدا ہوتا ہے، کوئی مئی میں پیدا ہوتا ہے، کوئی جون میں پیدا ہوتا ہے اس لیے کسی کے دوسرے روزے گرمی کے موسم میں اُس وقت آئیں گے جب وہ ساٹھ سال کا ہو چکا ہوگا۔ کسی کے ستّر سال کی عمر میں آئیں گے، کسی کے بہتّر سال کی عمر میں آئیں گے۔ گویا وہ ایسا زمانہ آجاتا ہے جس میں تھوڑی سی کوفت اور تھوڑی سی بیماری بھی انسان کو معذور بنا دیتی ہے۔ پس درحقیقت اگر کسی نوجوان کی زندگی میں یہ دن آئیں

اور وہ ان دنوں کو غفلت میں ضائع کر دے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ اب قیامت تک اُسے کوئی دوسرا موقع اس قسم کے روزوں کا مل ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ جب دوسرا موقع آئے گا اُس وقت وہ ستّر، بہتّر سال کا ہو چکا ہوگا اور اُس وقت شریعت بھی یہی کہے گی کہ اب تمہارے لیے مناسب یہی ہے کہ تم روزہ چھوڑ دو۔ یہ کتنی سوچنے والی بات ہے اور کتنے غور اور فکر کرنے والی بات ہے۔

میں ہمیشہ افسوس کیا کرتا ہوں کہ ہماری جماعت اپنے کاموں پر غور کرتے ہوئے حساب نہیں لگاتی حالانکہ اگر میری بات حساب لگا کر دیکھی جائے تو اس کے کئی مخفی پہلو نمایاں ہو جاتے ہیں۔ یہی بات دیکھ لو کہ روزوں کا ایک چکر چھتّیس سال میں پورا ہوتا ہے اور دوسرے روزے وہی شخص رکھ سکتا ہے جو بہتّر سال تک پہنچ جائے یا ساٹھ سال سے اوپر اُس کی عمر ہو جائے ورنہ دوسرے روزے اُس کی زندگی میں آ ہی نہیں سکتے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جس شخص کی اپریل یا مئی میں پیدائش ہو اُس کے لیے ناممکن ہے کہ وہ دوسرے روزے رکھ سکے۔ صرف دسمبر اور جنوری کی پیدائش والوں کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اُس وقت تک ساٹھ باسٹھ سال کے ہو جائیں اور روزے رکھ لیں۔ اپریل مئی میں پیدا ہونے والا اُس وقت تک ستّر سال تک جا پہنچے گا۔ اور پھر سو میں سے دس پندرہ ہی ایسے رہ جائیں گے جو مضبوط قوی والے ہوں اور اُن کی صحتیں ایسی اچھی ہوں کہ وہ رمضان کے روزے رکھ سکیں۔ پس ساری عمر میں صرف ایک دفعہ جو دن آتے ہیں اُن کو بہانوں سے گزار دینا نہایت افسوسناک بات ہے۔ اگر انسان ان دنوں میں تکلیف برداشت کر کے بھی روزے رکھ لے تو وہ بڑی عمر میں جا کر فخر کر سکتا ہے اور لوگوں سے کہہ سکتا ہے ایسی گرمی میں ہم بھی روزہ رکھا کرتے تھے اور ہم خوشی خوشی اس تکلیف کو برداشت کیا کرتے تھے۔

پھر یہ دعاؤں کے دن ہیں جن سے ہماری جماعت کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہیے۔ درحقیقت اگر ہم غور سے کام لیں تو ہماری جماعت کے پاس سوائے دعا کے اَور ہے ہی کیا؟ جب کوئی مشکل پیش آتی ہے ہمارے لیے سوائے اِس کے اَور کوئی دروازہ نہیں ہوتا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جائیں اور اُس سے اپنے کاموں کے لیے مدد مانگیں۔ جس طرح لوگ کہتے ہیں مُلّاں کی دوڑ مسیت تک۔ اِسی طرح مومن کی دَوڑ خدا تک ہوتی ہے۔ اس کو جب بھی کوئی دکھ پہنچتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے کیونکہ سوائے خدا کے اس کا کوئی والی وارث نہیں ہوتا (خدا ہی اس کا باپ

ہوتا ہے، خدا ہی اس کی ماں ہوتی ہے، خدا ہی اس کا بھائی ہوتا ہے اور خدا ہی اس کی بہن ہوتی ہے)۔ پس جب کوئی مصیبت اس پر یا اس کی قوم پر آتی ہے وہ خدا تعالیٰ کی طرف دوڑتا ہے۔

دنیا میں دو قسم کے علاج ہوتے ہیں۔ ایک علاج ازالہ اور دوسرا علاج احتیاطی۔ علاج ازالہ تو یہ ہے کہ جب بیماری آتی ہے تو انسان اُس کے ازالہ کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً بخار ہو جاتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ میں کوئی ایسی دوا کھاؤں جس سے بخار دور ہو جائے۔ کھانسی ہوتی ہے تو وہ چاہتا ہے کہ میں کوئی ایسی دوا کھاؤں جس سے کھانسی دور ہو جائے۔ پھوڑے پھنسیاں ہوتی ہیں تو وہ چاہتا ہے کہ میں ایسی دوا کھاؤں جس سے پھوڑے پھنسیاں دور ہو جائیں۔ لیکن ایک علاج دفاعی ہوتا ہے یعنی بیماری تو نہیں آتی مگر علاج کیا جاتا ہے تا کہ بیماری آنے ہی نہ پائے۔ اور ڈاکٹروں اور تمام ماہرینِ فن کی رائے یہ ہے کہ علاجِ ازالہ کی نسبت احتیاطی علاج زیادہ اچھا ہوتا ہے کیونکہ علاجِ ازالہ میں بیماری حملہ کرتی ہے اور کچھ نہ کچھ جسم کو نقصان پہنچا دیتی ہے لیکن جو پہلے سے دفاع کر لیتا ہے اور اپنی حفاظت کے لیے مضبوط قلعہ بنا لیتا ہے اُس پر بیماری حملہ ہی نہیں کرتی اور وہ تندرست رہتا ہے۔

اِسی طرح ایک دعائے ازالہ ہوتی ہے اور ایک دعائے احتیاطی ہوتی ہے۔ دعائے ازالہ تو یہ ہے کہ مصیبت آئی اور تم اللہ میاں کے پاس چلے گئے کہ خدایا! ہم پر یہ مصیبت آئی ہے تُو اپنے فضل سے اس کو دور کر دے۔ اور دعائے احتیاطی یہ ہے کہ خدایا! کوئی مصیبت آئے ہی نہ۔ رمضان کی دعائیں احتیاطی دعائیں ہوتی ہیں کیونکہ رمضان میں کوئی خاص شرّ انسان کو نہیں پہنچتا جس کے لیے دعاؤں پر زور دینا ضروری ہو۔ رمضان میں اگر دعائیں کی جاتی ہیں تو احتیاطی طور پر۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اِس کے آخر میں ایک عشرہ مقرر کر دیا ہے جس میں دعاؤں کی قبولیت کا اس نے خاص طور پر وعدہ فرمایا ہے۔ وہ اپنے بندوں سے کہتا ہے کہ تم پر کوئی بلا ہو یا نہ ہو تم ہمارے پاس آ جایا کرو تا کہ آئندہ تم پر کوئی بَلا نہ آئے۔ پس رمضان کی دعائیں، دعائے احتیاطی ہیں جو کسی مصیبت کو دور کرنے کے لیے نہیں ہوتیں بلکہ ان دعاؤں میں بندہ یہ عرض کرتا ہے کہ خدایا! مجھ پر کوئی مصیبت آئے ہی نہ۔ پس یہ علاج اُس علاج سے اچھا ہے جو مصیبت کے آنے پر کیا جاتا ہے۔ اِن دنوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے خود دس دن مقرر کر دیئے ہیں اور کہا ہے کہ اپنی ساری ضرورتیں اور حاجات ہم سے مانگ لو تا کہ اگلے سال جو مصیبتیں تم پر آ سکتی ہیں وہ نہ آئیں۔ اور اگر کسی پر آ جائیں تو پھر اس کے لیے بھی

دعاؤں کا دروازہ کھلا ہے مگر بہرحال وہ دعائے ازالہ ہوگی۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ دعائے ازالہ اتنی اعلیٰ نہیں ہوتی جتنی دعائے احتیاطی۔ جیسے جسمانی بیماریوں سے احتیاط کرنے والے کی صحت زیادہ اعلیٰ ہوتی ہے اور وہ شخص جس پر بیماری آ جائے اُس کی صحت ایسی اعلیٰ نہیں ہوتی کیونکہ بیماری اسے کچھ نہ کچھ ضرور جھنجوڑ دیتی ہے۔ پس یہ دعاؤں کے دن ہیں تمہیں چاہیے کہ اِن ایام میں خاص طور پر دعائیں کرو۔ اپنے لیے، سلسلہ کے لیے اور تمام بنی نوع انسان کے لیے۔

یہ دن معمولی نہیں ہیں۔ ان میں وہ سب سے بڑا فتنہ پیدا کیا گیا ہے جس کا نام فتنہ دجال اور فتنہ یاجوج ماجوج رکھا گیا ہے۔ یعنی ایک طرف کمیونزم کا فتنہ ہے اور دوسری طرف عیسائیت کا فتنہ ہے۔ یہ دو بلائیں ہیں جو منہ کھولے آ رہی ہیں۔ اور یہی وہ دو بلائیں ہیں جن کی طرف سورہ فاتحہ میں غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ 2 کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ایک غضبِ الٰہی کے نیچے آئی ہوئی قوم اسلام پر حملہ آور ہوگی اور ایک گمراہی اور صداقت سے دوری میں مبتلا مذہب اسلام پر حملہ آور ہوگا۔ گویا ایک طرف عیسائیت ہوگی اور دوسری طرف کمیونزم ہوگا۔ ایک طرف مذہب ہوگا مگر گمراہی کا اور دوسری طرف ایک طریق ہوگا جو خدا تعالیٰ سے دور لے جانے والا اور اُس کی ناراضگی اور غضب کا انسان کو مورد بنانے والا ہوگا۔ اِن دو سانڈوں کے درمیان اسلام کا چھوٹا سا یتیم بچہ ہوگا اور ہر سانڈ کی ادنیٰ سے ادنیٰ ٹھوکر بھی اُس کو کُچل دینے کے لیے کافی ہوگی۔ اِسی لیے سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ سکھایا کہ تم ہمیشہ یہ دعا کرتے رہو کہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ خدایا! تُو ہمیں کمیونزم کے فتنہ سے بھی بچا اور عیسائیت کے فتنہ سے بھی محفوظ رکھ۔ کمیونزم کی پَیرو وہی مغضوب قوم ہے جس کا بائیبل میں بھی اِن الفاظ میں ذکر آتا ہے کہ "دیکھ اے جوج روش اور مسک اور توبل کے فرمانروا میں تیرا مخالف ہوں"۔3 اور یہ کہ "اُن ایام میں جب جوج اسرائیل کی مملکت پر چڑھائی کرے گا تو میرا قہر میرے چہرہ سے نمایاں ہوگا"۔4

غرض ایک قوم تو وہ ہے جو مذہب سے بیزار اور خدا تعالیٰ کے غضب اور قہر کی مورد۔ اور ایک قوم خدا خدا تو کر رہی ہے مگر عقائد کے لحاظ سے وہ خطرناک گمراہی میں مبتلا ہے اور لوگوں کو ایک غلط مذہب کی طرف کھینچ رہی ہے۔ ایسے زمانہ میں پیدا ہونے والی قوم جس کے پاس کوئی طاقت اور قوت بھی نہ ہو اُس کے لیے سوائے دعا کے کامیابی کا اَور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ تمہاری حالت تو یہ ہے کہ

اگر تمہارے گاؤں کا نمبردار بھی تمہاری مخالفت کرتا ہے تو تم شور مچانے لگ جاتے ہو کہ ظفر اللہ کو لکھو، ظفر اللہ کو تار دو۔ جہاں انسان کی اِتنی ہمت ہو کہ ایک نمبردار اور ہمسایہ کی مخالفت سے بھی وہ کانپنے لگے اور اُس کا ایمان متزلزل ہو جائے وہاں اُس نے اَور کیا کرنا ہے؟ وہ قومیں جو اِس وقت ساری دنیا پر چھائی ہوئی ہیں اُن کا مقابلہ کرنے کی تم میں کہاں ہمت ہے؟ تم اِسی طرح امن میں رہ سکتے ہو کہ یا تو جس طرح چھچھوندر زمین میں سوئی رہتی ہے اُسی طرح تم بھی سو جاؤ اور بھول جاؤ اِس بات کو کہ تمہارے خلاف کوئی فتنہ برپا ہے۔ اور یا پھر خدا تعالیٰ کی گود میں پناہ لے لو۔ اطمینان انسان کو دو ہی طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ یا تو فتنہ کو بُھول کر اور یا پھر خدا تعالیٰ کی گود میں پناہ لے کر مگر خطرہ کو بُھلا کر جو امن حاصل ہوتا ہے وہ انسان کو تباہ کر دینے والا ہوتا ہے۔ جس شخص کے گُردہ میں پتھری ہو اور وہ افیون کھا کر اپنے درد کو دور کر لیتا ہو اور سمجھتا ہو کہ مجھے آرام ہے وہ ایک دن ہلاک ہو جائے گا۔ لیکن وہ شخص جو ڈاکٹر کے پاس جائے گا اور آپریشن کروائے گا وہ بچ جائے گا۔ اِسی طرح اگر تم بھی افیون والا علاج کرتے ہو اور دجّالی فتنہ کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہو اور سمجھتے ہو کہ ہم امن میں ہیں تو تم اپنا وقت غفلت میں گزار رہے ہو۔ تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ یہ امن امن نہیں بلکہ تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ لیکن اگر تم خدا تعالیٰ کی گود میں پناہ لے لیتے ہو تو تم اپنے درد کا صحیح علاج کرتے ہو۔ کیونکہ جو شخص خدا تعالیٰ کی گود میں بیٹھ جاتا ہے اُسے سُلایا نہیں جاتا بلکہ اُس کے مرض کو دور کیا جاتا ہے اور اس کی صحت کو زیادہ اچھا بنایا جاتا ہے۔ اور اگر تم سمجھو تو یہی حقیقی علاج ہے۔

تلوار تمہارے پاس نہیں، گولہ بارود تمہارے پاس نہیں، توپیں تمہارے پاس نہیں، حکومت تمہارے پاس نہیں، روپیہ تمہارے پاس نہیں، فوجیں تمہارے پاس نہیں، ہوائی جہاز تمہارے پاس نہیں ایٹم بم تو دُور کی بات ہے۔ یا تو تم یہ کہو کہ ہم وہ جماعت نہیں جس نے کفر کو مٹانا ہے۔ اور اگر تم کہتے ہو کہ ہم وہی جماعت ہیں جس نے کفر کو دنیا سے نابود کرنا ہے تو تمہارے پاس اِس غرض کے لیے کونسا سامان ہے؟ آخر آپ ہی آپ کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ ہر چیز کے لیے کوئی نہ کوئی سامان ہوتا ہے یا مادی سامان ہوتا ہے۔ یا روحانی سامان ہوتا ہے۔ مادی سامان تمہارے پاس ہے نہیں۔ پس تم ایک ہی جواب دے سکتے ہو کہ ہمارے پاس تیر نہیں، تفنگ نہیں، توپ نہیں، ہوائی جہاز نہیں۔ ہمارے پاس صرف دعا کا ہتھیار ہے۔ میں کہوں گا ٹھیک ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اگر تلوار تمہارے گھر میں

پڑی ہوئی ہو اور دشمن تمہارے سَر پر ہو تو کیا اُس تلوار کی موجودگی تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتی ہے؟ اگر تم نے دشمن کا مقابلہ کرنا ہے تو پھر تلوار کا چلانا بھی تمہیں سیکھنا پڑے گا اور تلوار کو اپنے ہاتھ میں بھی رکھنا پڑے گا۔ اِسی طرح دعاؤں پر ایمان رکھنے والے کو میں یہ کہوں گا کہ بیشک دعا ہی سب سے بڑا ہتھیار ہے اور نہایت اہم ہتھیار ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا تم نے کبھی دعا کی؟ اگر نہیں کی تو وہ آپ ہی آپ تمہیں کس طرح فائدہ پہنچا دے گی؟

یہ تو ویسی ہی حماقت کی بات ہے جیسے پیر منظور محمد صاحب سنایا کرتے تھے کہ بچپن میں ایک دفعہ ہم شکار کے لیے گئے۔ ہمارے ساتھ ایک بَنیا بھی چل پڑا۔ چند چھوٹے چھوٹے لڑکے اَور بھی تھے۔ ہم نے بندوق اپنے کندھے پر رکھی ہوئی تھی کہ اُس کا منہ اُس بنیے کی طرف ہو گیا اور وہ ڈر کر ہائے ہائے کہہ اُٹھا۔ ہم نے اُسے بتایا کہ ابھی ہم نے اِس میں کارتوس نہیں بھرے اور اگر بھرے ہوئے ہوتے تب بھی وہ آپ ہی نہیں چل پڑتے انہیں چلانے کے لیے دباؤ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اِس پر وہ کہنے لگا یہ درست ہوگا مگر انگریز کی بنائی ہوئی چیز کا پھر بھی اعتبار نہیں۔

تم بھی اُس بنیے کی طرح کہتے ہو کہ دعا آپ ہی آپ چل جایا کرتی ہے۔ حالانکہ دعا چلانے سے چلا کرتی ہے یونہی نہیں۔ جو شخص دعا کرتا ہے اُسے دعا بہت بڑا فائدہ پہنچاتی ہے۔ اور جو دعا نہیں کرتا اُس کے لیے وہ ایک لغو اور بیکار چیز ہوتی ہے بلکہ اُس تلوار سے بھی بدتر ہوتی ہے جو گھر میں رکھی ہوئی ہو کیونکہ وہ شخص جس نے تلوار اپنے گھر میں رکھ لی اور اُسے چلایا نہیں اُس کو تو لوگ صرف ملامت کرتے ہیں۔ لیکن وہ شخص جو دعا پر ایمان رکھتا اور پھر اُس سے کام نہیں لیتا اُس پر لوگ لعنت کرتے ہیں"۔ (غیر مطبوعہ مواد۔ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

---

1 : تقشّر : چھل جانا، چھلکا علیحدہ ہونا (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد 5 صفحہ 385 کراچی)
تَقَشَّرَ (قِشْرَۃٌ): چھال، خول، چھلکا (فیروز اللغات عربی اردو فیروز سنز لاہور)

2 : الفاتحۃ: 7

3 : حزقی ایل باب 39 آیت 1

4 : حزقی ایل باب 38 آیت 19